سندھ کے صوفیائے کرام

سید پیر مراد شیرازی
اور
اُن کا خاندان

مولانا اعجاز الحق قدوسی

سید علی اوّل حضرت سید احمد کے سب سے بڑے فرزند سید علی اوّل تھے، جو ۹۵۰ھ میں پیدا ہوئے، اور بیاسی سال کی عمر میں ۲۰ صفر بروز جمعہ ۱۰۳۸ھ کو انہوں نے وفات پائی اور یکم ربیع الاوّل کو اپنے والد کے پائینتی مدفون ہوئے۔ 'جنت و حریر' سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے[1]۔

صاحب تحفۃ الکرام نے حضرت سید علی اول کی عظمت وجلالت کو سراہتے ہوئے لکھا کہ "وہ بہت بڑے واصل باقدر بزرگ تھے ان کے حالات وکرامات کا کوئی شمار نہیں"[2]۔

حضرت سید علی نے اپنے بھائی سید پیر مراد کے دستِ حق پرست پر بیعت کی،

۱؎ حواشی مکلی نامہ (سندھی) مرتبہ سید حسام الدین راشدی ص۲۳۳

۲؎ تحفۃ الکرام اردو ترجمہ ص۵۷۴

اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ تحفۃ الطاہرین میں ہے کہ:

"قطب زمان حضرت سید پیر مراد نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں برکت و وسعتِ رزق اور معرفت کے حصول کے لئے بہت دعا فرمائی اور آپ کی دعاؤں کی برکت کی وجہ سے وہ ولایت و عرفان کے درجۂ کمال کو پہنچے اور صاحبِ کشف و کرامات ہوئے[1]۔

حضرت سید علی اول کے دو صاحبزادے تھے، ایک سید جلال اور دوسرے سید جمال۔ سید جمال نے حضرت سید علی ہی کی زندگی میں وفات پائی[2]۔

سید جلال سید جلال کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام نے لکھا کہ: وہ اپنے والد ہی کی طرح صاحبِ حال و قال بزرگ تھے انہوں نے لوگوں کو راہِ سلوک و معرفت کے دکھانے میں بڑی فیاضی سے کام لیا[3]۔

حواشی مکلی نامہ میں سید حسام الدین راشدی نے لکھا کہ: سید جلال اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے چچا حضرت سید پیر مراد سے رجوع ہوئے اور یہ ان کے دوسرے خلیفہ تھے، انہوں نے سال کی عمر میں ۹۸۸ھ میں خلافت حاصل کی، اور ساری عمر تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم کی درس و تدریس میں بسر کی۔

سید جلال نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی۔ "وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا" سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے، اور سید محمد جعفر کے مغربی جانب مدفون ہوئے[4]۔

سید علی ثانی حضرت سید پیر مراد کے بعد اس خاندان کی علمی اور روحانی عظمت کو جس نے غیر معمولی فروغ بخشا، وہ سید جلال کے فرزند رشید حضرت سید علی ثانی تھے۔

---

[1] تحفۃ الطاہرین، ص ۱۶، ۱۷ [2] حواشی مکلی نامہ ص ۴۳ [3] تحفۃ الکرام (اردو ترجمہ) ص ۵۴۲
[4] حواشی مکلی نامہ سندھی، ص ۱۱۴۔

سندھ کے مشہور مؤرخ سید حسام الدین راشدی نے بحوالۂ معارف الانوار ترخان نامہ کے مقدمہ میں، ان کا سن ولادت ۹۱۸ھ درج کرکے لکھا ہے کہ حضرت سید علی ثانی جب پیدا ہوئے تو حضرت سید پیر مراد اس زمانے میں حیات تھے، انہیں جب آپ کی ولادت کی خبر معلوم ہوئی تو نہایت مسرور ہوئے[1]۔

صاحب تحفۃ الطاہرین نے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ:

> حضرت سید علی ثانی شیرازی نے ابتدائے حقائق و معارف آگاہ درویش آچر[2] علیہ الرحمہ سے فیض حاصل کیا، پھر عرفان و تصوف کے منازل حضرت مخدوم نوح[3] ہالائی سے طے کئے اور مقام فنا فی اللہ سے گزر کر بقا باللہ کے مرتبے پر فائز ہوئے[4]۔

عہد حاضر کے سندھ کی تاریخ کے مشہور محقق سید حسام الدین راشدی نے ترخان نامہ کے مقدمے میں سید علی ثانی کے متعلق لکھا ہے کہ: سید علی ثانی (متوفی ۹۸۰ھ) سید جلال کے بیٹے ہیں جو خیر و برکت اور رشد و ہدایت میں سید مراد کے بعد اس خاندان میں بلند مقام رکھتے تھے، بہت سے سندھ کے مشائخ ان کے فیض تربیت سے تصوف میں اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار بنے، ان میں سے ایک سید عبدالکریم[5] بلڑی بھی ہیں جو اپنے زمانے کے صاحب کشف و کرامت بزرگ اور سندھ کے ایک باکمال شاعر تھے جن کی اولاد میں سندھی شاعری کے آفتاب درخشاں سید شاہ عبداللطیف[6] بھٹائی ہیں

---

[1] مقدمہ ترخان نامہ: سید حسام الدین راشدی ص ۳۸　[2] درویش آچر: یہ ایک صاحب کمال بزرگ تھے، موضع ببہ لائی کے قریب درویشانہ وضع میں زندگی بسر کرتے تھے (تحفۃ الکرام اردو ترجمہ ص ۵)۔　[3] حضرت مخدوم نوح ہالائی بن نعمت اللہ متوفی ۲۷ ذیقعدہ ۹۹۸ھ دیکھ: تحفۃ الطاہرین، حاشیہ (۱) ص ۱۸۱　[4] تحفۃ الطاہرین ص ۲۰۱

[5] سید عبدالکریم بلڑی: ولادت ۹۴۴ھ وفات ۱۰۳۰ھ

[6] شاہ عبداللطیف بھٹائی ولادت ۱۱۰۱ھ وفات ۱۱۶۵ھ

جن کی شاعرانہ اور عارفانہ نغموں سے سندھ کا چپہ چپہ گونج اٹھا۔

ارغون بھی ان ہی بزرگ کے زمانے میں سندھ میں وارد ہوئے اور پورا ارغونی عہد حکومت ان ہی کے زمانے میں گزرا، بلکہ ترخانی فرماں رواؤں میرزا عیسیٰ خان ترخان[1] اول اور میرزا محمد باقی[2] بھی حضرت سید علی کے معاصر تھے۔ ان کی ذات اپنے زمانے میں مرجع خاص و عام تھی، ان کے عقیدت مندوں میں نہ صرف عوام اور غریب تھے، بلکہ امراء اور صاحبانِ اقتدار، دانشور اور شاعر بھی ان کی عقیدت کو اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔

سندھ کے پہلے تذکرۂ صوفیا کے مصنف سید عبدالقادر بن سید ہاشم نے جو حضرت سید علی کے ہم عصر بھی ہیں اپنی مشہور کتاب حدیقۃ الاولیا میں آپ کے اخلاق و محامد کو نظم میں پیش کیا ہے۔

سندھ کے مشہور شاعر حاجی رضائی ٹھٹوی نے اپنی مثنوی زیبا نگار میں آپ کی مدح سرائی کی ہے۔

اکبر کا پہلا پیرہن

جب ہمایوں راجپوتانہ سے مایوس ہو کر عمر کوٹ آیا تو میرزا شاہ حسن نے ظاہرًا ہمدردی کے لئے ایک وفد ہمایوں کی خدمت میں روانہ کیا، جس میں حضرت سید علی ثانی بھی تھے یہ جب وہاں تھے تو اسی زمانے میں ۵ رجب شب یکشنبہ ۹۴۹ھ میں اکبر کی ولادت ہوئی، اور ہمایوں نے تبرکاً حضرت سید علی ثانی کے پیرہن سے ایک ٹکڑا لے کر اس کا پیرہن تیار کر کے اس کو پہنایا، یہ سب سے پہلا کپڑا تھا، جو عالم وجود میں آنے کے بعد اکبر کے جسم پر پڑا۔

حواشی تکملہ نامہ میں ہے کہ میرزا جانی بیگ نے اسی عقیدت کی بنا پر اپنی بچی بنت میرزا صالح بن میرزا عیسیٰ کی شادی حضرت سید علی ثانی کے صاحبزادے سید

---

[1] میرزا عیسیٰ ترخان اول، وفات ۹۷۳ھ

[2] میرزا محمد باقی، وفات ۸ شوال ۹۷۳ھ

جلال ثانی سے کی۔

میرزا حسن شاہ کی وفات کے بعد دو سال تک امانتاً اس کی لاش مکلی میں سپرد خاک رہی۔ دو سال کے بعد اس کی بیوی اس کی لاش کو مدینۂ منورہ لے گئی تاکہ وہ لئے اس کے باپ شاہ بیگ ارغون کے پہلو میں دفن کرے۔ اس موقعہ پر اس نے حضرت سید علی ثانی کو ایک عقیدت مند ہونے کی حیثیت سے اپنے ساتھ لیا۔

آگے چل کر راشدی صاحب نے ان کے علم وفضل کو سراہتے ہوئے لکھا کہ وہ نہ صرف ایک شیخ طریقت تھے بلکہ ایک جلیل القدر عالم، ادیب اور دانشور تھے، اور سندھی، فارسی اور عربی زبان پر ید طولیٰ رکھتے تھے اور سندھ کے بلند پایہ شاعر تھے صاحب تصانیف تھے، آداب المریدین اور تذکرۃ المراد ان کی مشہور تصنیفیں ہیں۔

آداب المریدین انہوں نے چونسٹھ سال کی عمر میں عربی میں لکھنی شروع کی تھی۔ جس میں انہوں نے حضرت سید مراد شیرازی کی تعلیمات کو عربی میں لکھا ہے، یہ کتاب حضرت نے ۹۵۲ھ میں مکمل کی۔

دوسری کتاب تذکرۃ المراد ہے، جو انہوں نے اپنے جد کے سلسلے پر فارسی میں لکھی تھی۔

قاضی محمد اچّی کے بعد اپنے علم وزہد وورع کی بنا پر حضرت سید علی ثانی شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔

سماع سے ان کو اس قدر غیر معمولی شغف تھا کہ قاضیوں، مفتیوں اور محتسبوں کے منع کرنے کے باوجود سماع نہیں چھوڑتے تھے۔[1]

حضرت سید علی ثانی نے ۹۸۱ھ میں میرزا محمد باقی کی حکومت کے زمانے میں وفات پائی۔ میر معصوم بکھری نے ان کی تاریخ وفات "الحاتم بجودہ" سے نکالی ہے۔

(باقی)

---

[1] یہ تمام تفصیل حواشی مکلی نامہ مولفہ سید حسام الدین راشدی ص ۴۲،۴۳ اور مقدمہ ترخان نامہ مولفہ سید حسام الدین راشدی ص ۲۴،۲۵ سے ماخوذ ہے۔